

امام دارالہجرت

مالک بن انس اصبہیؒ

نام و نسب آپ کا نام و نسب یہ ہے امام دارالہجرت ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر نافع بن عمرو بن حارث بن عثمان بن حثیل بن عمرو بن حارث ذوالصبح، اصبہی حمیری مدنی رحمۃ اللہ علیہ، بعض علمائے انساب نے عثمان کے بجائے غیمان بتایا ہے، آپ کا نسب یمن کے مشہور قبیلہ حمیر بن سبا سے ملتا ہے جس کا تعلق یعرب بن قحطان سے ہے، لہ

امام صاحب کے دادا مالک بن ابو عامر نافع یمن میں کسی مقام میں صدقات و زکوٰۃ کی وصولی پر مامور تھے، بعض حکام کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ منورہ آ گئے۔ اور قریش کی شاخ بنی تیمم بن مرہ سے ولار اور دوستی کر کے اس کے ساتھ رہنے لگے، امام صاحب کے چچا ابو سہیل کا بیان ہے کہ ہم لوگ ذوالصبح کے قبیلہ سے ہیں۔ ہمارے

بنو تیمم کے ساتھ حلف و ولار امام صاحب کے چچا ابو سہیل کا بیان ہے کہ دادا نے مدینہ آکر بنی تیمم میں شادی کی، اس لئے ہم لوگ اس کی طرف منسوب ہوئے، یہ حلف و ولار کا تعلق حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیممیؓ کے بھائی حضرت عثمان بن عبید اللہ تیممی سے قائم ہوا تھا، لہ امام صاحب کی والدہ کا نام عالیہ تھا جو شریکہ بن عبد الرحمن بن

لہ جمہور انساب العرب، ابن حزم ص ۴۳، لہ ترتیب المدارک و تقریب المسالك لمعرفة اعلام مذہب مالک، قاضی عیاض ج ۱ ص ۱۹۳، و تذکرۃ الحفاظ، ذہبی ج ۱ ص ۱۹۳،

شریک کی صاحبزادی تھیں قاضی محمد بن عمران تیمی نے کہا ہے کہ امام مالک قبیلہ حمیر کے ہیں اور ہمارے ان کے درمیان نسبی رشتہ ہے۔ البتہ ان کی والدہ میرے چچا عثمان بن عبید اللہ کی باندی تھیں لہ

ابو عامر نافع بن عمرو صحابی ہیں، غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور مالک بن ابو عامر کبار تابعین میں سے ہیں، بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے، متعدد کبار صحابہ سے روایت کی ہے، ثقہ محدث ہیں، ان کے چار بڑے تھے انس، اویس، ابو سہیل نافع، ربیع، اور چاروں نے ان سے روایت کی ہے، غالباً انس سب سے بڑے تھے، اسی لئے ان کی کنیت ابو انس ہے، چاروں بھائی اپنے وقت کے علماء و محدثین میں تھے، امام صاحب کے والد انس سے ان کے صاحبزادے مالک اور محمد بن شہاب زہری نے روایت کی ہے، لہ

مکان

مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر وادی عقیق ہے، وہیں جُرف نامی ایک مشہور نشیبی اور سیلی علاقہ تھا، جہاں کھیت اور باغات تھے، اسی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاگیر بھی تھی، یہ مقام اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے بڑا پرکشش تھا۔ اسی علاقہ میں امام صاحب کے والد کا شاندار قصر اور محل تھا جو قصر المقعد کے نام سے مشہور تھا، قاضی عیاض نے لکھا ہے۔

کان ابو مالک بن انس مقعداً، امام مالک کے والد انس مقعد تھے اور مقام جُرف میں ان کا ایک محل تھا جو قصر مقعد کے نام سے مشہور تھا،

بقصر المقعد لہ

مقعد النسب اور مقعد الحسب ایسے شخص کو کہتے ہیں جو قصیر النسب یا معدوم النسب ہے

لہ جمہور انساب العرب ۱۳۶، ترتیب المدارک ص ۱۵۱ ج ۱، لہ الجرح والتعديل ج ۱ ص ۲۸۶

لہ وفار الوفار ج ۱ ص ۱۱۷، لہ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۵۱،

النسب ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام صاحب کا خاندان یمن سے مدینہ آیا تو اس کے افراد کم اور غیر معروف تھے، ایک مرتبہ امام صاحب سے لوگوں نے عقیق میں مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ اس سے مسجد نبویؐ تک آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے، امام صاحب نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق سے محبت رکھتے تھے، اور وہاں تشریف لے جاتے تھے، اور بعض صحابہ نے وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبویؐ کے قریب قیام کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مسجد تک آمد و رفت میں ثواب نہیں سمجھتے ہو؟ امام صاحب بعد میں مدینہ منورہ چلے آئے تھے، ابن بکیر کا بیان کہ امام صاحب پہلے عقیق میں رہتے تھے۔ پھر مدینہ آگئے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرتے تھے، جو حضرت عسکریؑ کے مکان کے قریب مسجد نبویؐ سے متصل تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، تو آپؐ کا بستر اسی مکان میں رکھا جاتا تھا، لہ

پیدائش اور بچپن امام صاحب کی پیدائش ۹۲ھ میں علاقہ جرف کے ایک چھتر ذی مرہ میں ہوئی، بعض لوگوں نے ۹۰ھ، ۹۳ھ اور ۹۵ھ بھی بتایا ہے، عام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپؑ شکم مادر میں تین سال تک رہے، اور بعض نے دو سال بتایا ہے،

امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ سے عمر میں تیرہ سال بڑے، انھوں نے امام مالکؒ کے بچپن میں ان کو دیکھا تھا، ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ مدینہ کے نوخیز لڑکوں کو آپؒ نے کیسا پایا؟ تو کہا کہ اگر ان میں کوئی اونچا جائے گا تو مالکؒ،
ان نجب منهم فالاشقر الازرق اگر ان میں کوئی نجیب ہو گا تو سُرخ مائل یعنی مالکؒ۔
گورا مالکؒ،

ایک روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا، ابن غانم کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابو حنیفہؒ کی یہ بات امام مالک کو سنائی تو انھوں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے سچ کہا، میں نے ان کو دیکھا ہے۔ وہ بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے۔ کاش! وہ فقہ کی بنیاد اصل یعنی اہل مدینہ کے اثر پر رکھتے۔

امام صاحب باقاعدہ طلب علم سے پہلے اپنے بھائی نظر کے ساتھ بزازی کرتے تھے، یعنی سوتی کپڑے کی تجارت میں ان کے شریک تھے۔

**طلب حدیث سے پہلے
کپڑے کی تجارت**

مالک کے بھائی نظر سوتی کپڑے بیچتے تھے، اور مالک ان کے ساتھ رہ کر بزاز تھے۔ اور بعد میں علم حاصل کیا،

وكان اخوه النظر يبيع البز، وكان
مالك معه بزازاً، ثم طلب العلم
- - - - -

اسی وجہ سے ابتدائی دور میں ان کا تعارف ان کے بھائی نظر کی نسبت سے ہوتا تھا اور مالک اخو النظر یعنی نظر کے بھائی مالک کہے جاتے تھے، اور طلب علم میں محنت کی وجہ سے امام صاحب کی شہرت ہوئی تو اس کے برعکس تعارف ہونے لگا اور لوگ النظر اخو مالک یعنی مالک کے بھائی نظر کہنے لگے یہ

امام صاحب کا گھرانہ دینی اور علمی تھا، احادیث کی روایت مدینہ میں عام تھی، امام صاحب نے بچپن ہی میں طلب حدیث کی ابتداء کی، خود بیان کرتے

**بچپن میں تعلیمی شوق اور
ربیعہ زانی کے درس میں شرکت**

ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں بھی علم حاصل کرنے جاؤں گا، انھوں نے کہا کہ آؤ میں تم کو علم دین کا لباس پہنا دوں، چنانچہ انھوں نے مجھے اوٹنگے کپڑے۔

(شیاب شمرہ) پہنائے اور سر پر سیاہ لمبی ٹوپی رکھ کر اوپر سے عمامہ باندھا اور کہا۔
 اذہب الی ربیعہ فتعلم من ادبہ ربیعہ کے پاس جاؤ اور ان کے علم سے
 قبل علمہ۔ پہلے ان سے ادب سیکھو،

اور ایک روایت ہے کہ والدہ نے کہا۔

اذہب الان فاكتب اب جاؤ حدیث لکھو۔

زبیری کا بیان ہے کہ میں نے مالک کو ربیعہ کے حلقہ درس میں دیکھا ہے،
 اس وقت ان کے کان میں بُندا تھا، لہ

امام ابو عثمان ربیعہ بن ابو عبد الرحمن فروخ تمیمی مدنی متوفی ۳۶ھ رحمۃ اللہ علیہ
 ربیعہ رانی کی نسبت سے مشہور ہیں، حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے علمائے تابعین
 سے روایت کی ہے، کثیر الحدیث، ثقہ، محدث و فقیہ تھے، مدینہ کے نامی گرامی علماء و فقہاء
 ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے جو مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا جن میں
 چالیس عمامہ پوش مشائخ تھے،

اسی زمانہ میں امام صاحب نافع مولیٰ عبد اللہ
 بن عمر سے بھی تحصیل علم کرتے تھے، کہتے ہیں
 کہ میں بچپن میں اپنے ملازم کے ساتھ

**نافع مولیٰ ابن عمر اور عبد الرحمن
 بن ہرمز سے تلمیذ**

نافع مولیٰ ابن عمر کے یہاں جایا کرتا تھا، وہ اوپر سے اتر کر زینہ پر بیٹھ جاتے اور مجھ سے
 حدیث بیان کرتے تھے، میں دوپہر میں ان کے پاس جاتا تھا، راستہ میں کہیں سایہ
 بھی نہیں ہوتا تھا، وہ میری آمد پر باہر آتے، تھوڑی دیر دم لینے کے بعد میں ان سے
 سوال کرتا کہ ابن عمر نے فلاں فلاں مسئلہ میں کیا کہا ہے؟ اور وہ بیان کرتے تھے۔
 اور عبد الرحمن بن ہرمز کے پاس صبح کو جاتا اور رات کو وہاں سے واپس آتا تھا،

مصعب کا بیان ہے کہ نافع کے نابینا ہو جانے کے بعد امام مالک ان کو ان کے مکان سے جو بقیع کی طرف واقع تھا لیوا کر مسجد نبوی میں آتے اور ان سے احادیث کے بارے میں سوال کرتے تھے لہ۔ امام صاحب کا بیان ہے کہ میرے ایک بھائی عمر میں زیادہ اور ابن شہاب کے ہم عمر تھے، ایک دن والد نے ہم دونوں کے سامنے ایک مسئلہ رکھا، بھائی نے صحیح بتایا اور میں غلطی کر گیا۔ والد نے کہا کہ تم کو کبوتروں نے طلبِ علم سے غافل کر دیا ہے، یہ جملہ بہت گراں گذرا، اور میں عبدالرحمن بن ہرمز کے حلقہٴ درس میں جانے لگا جہاں سات سال تک رہ کر تحصیلِ علم کی، اس مدت میں کسی دوسرے شیخ کے پاس نہیں گیا، میں اپنے پاس کھجور رکھ کر ان کے یہاں جاتا اور لڑکوں کو دیکر ان سے کہتا کہ اگر کوئی شخص شیخ کے بارے میں پوچھے تو تم لوگ کہہ دینا کہ وہ اس وقت مشغول ہیں، ایک دن میں ابن ہرمز کے دروازے پر پہنچا تو انھوں نے باندی کو بھیج کر معلوم کیا کہ دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جا کر کہا کہ وہی اشقر (سرخ گورا) ہے ابن ہرمز نے کہا ان کو آنے دو، وہ امام ہیں، ابن ہرمز کا حلقہٴ درس مسجد نبوی میں ہوا کرتا تھا۔ ابو داؤد عبدالرحمن بن ہرمز الاعمرج مدنی متوفی ۱۸۱ھ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد اور ان کے علم کے وارث تھے، بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی ہے، کثیر الحدیث، ثقہ محدث تھے، اسی کے ساتھ انساب، عربیت اور قرارت کے زبردست عالم تھے۔

امام صاحب کے بچپن کے اساتذہ میں صفوان بن سلیم

صفوان بن سلیم سے تلمذ

بہت بزرگ عالم تھے، انھوں نے ایک دن اپنے شاگرد مالک سے ایک خواب کی تعبیر معلوم کی، شاگرد نے عرض کیا حضرت! آپ جیسے بزرگ مجھ سے کوئی بات معلوم کریں یہ عجیب سی بات ہے، استاد نے کہا کہ بھتیجے! کوئی بات نہیں ہے۔ اس میں

کیا حرج ہے، میں نے خواب دیکھا ہے کہ آئینہ دیکھ رہا ہوں، شاگرد نے فوراً عرض کیا کہ آپ اپنی آخرت سنوار رہے ہیں اور اپنے رب کی قربت کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں استاد نے یہ تعبیر سنکر خوش ہو کر کہا کہ۔

انت الیوم مؤیلک، ولئن بقیت
تکونن مالکاً، اتق الله یا مالک
اذا کنت مالکاً، والا فانک هالک

آج تم مؤیلک ہو اگر زندہ رہے تو مالک ہو
جاؤ گے اے مالک جب تم واقعی مالک بن
جانا تو اللہ سے ڈرنا، ورنہ ہالک ہو جاؤ گے،

امام صاحب کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ تجھے پیار کی وجہ سے مؤیلک (ملک) کا

کہہ کر پکارتے تھے، صفوان بن سلیم نے پہلی بار اس موقع پر مجھے ابو عبد اللہ کی کنیت سے پکارا، اور یہ ان ہی کا عطیہ ہے، لہ ابو عبد اللہ صفوان بن سلیم قرشی زہری مدنی متوفی ۱۳۲ھ

رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور کبار تابعین سے روایت کی ہے، ان کے زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اگر ان کو خبر دی جاتی کہ کل قیامت آنے والی ہے تو ان کو مزید عمل

کی ضرورت نہیں پڑتی، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ صفوان جاڑے میں چھت پر اور گرمی میں اندر رات کو نماز پڑھتے تھے، تاکہ سردی اور گرمی کی وجہ سے شب بیداری میں مدد ملے،

امام صاحب کے اساتذہ و شیوخ میں

ابن شہاب زہری کے حلقہ درس میں

مدینہ منورہ کے اساطین علوم نبوت

تھے، جن میں امام محمد بن شہاب زہری خاص اہمیت رکھتے ہیں، اور امام صاحب نے

ان سے بہت زیادہ فیض پایا ہے، بیان کرتے ہیں کہ ہم طلبہ حدیث ابن شہاب کے

مکان واقع بنی الریل میں بہت زیادہ بھیڑ لگاتے تھے ان کے دروازے پر بیٹھے رہتے

اور جب کھلتا تو اندر جاتے وقت دھکم دھکا کرتے تھے، ابن شہاب حلقہ درس میں

قال ابن عمر کذا وکذا کہتے اور ہم سن لیتے اور حلقہ ختم ہونے پر ان سے پوچھتے کہ ابن عمر کے

یہ اقوال آپ تک کیسے پہونچے ہیں؟ تو بتاتے کہ ان کے صاحبزادے سالم نے ان کو بیان کیا ہے،

امام صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن میں یہ سوچ کر کہ آج ابن شہاب خالی ہوں گے ان کے یہاں مصلیٰ سے باہر ہی باہر چلا گیا، ابن شہاب نے ملازمہ سے کہا کہ دیکھو دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جا کر خبر دی کہ مولایک الاشقر مالک، اور میں ان کی اجازت پر اندر گیا، انھوں نے دیکھتے ہی کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے مکان نہیں گئے ہو اور باہر ہی باہر یہاں چلے آتے ہو، کھانا کھاؤ، میں نے کہا کھانے کی حاجت نہیں ہے، آپ حدیث بیان کر دیں، چنانچہ انھوں نے اسی وقت سترہ حدیثیں بیان کیں اور کہا کہ اس سے تم کو کیا فائدہ ہوگا کہ میں حدیث بیان کروں اور تم یاد نہ کرو، میں نے کہا کہ آپ کہیں تو ابھی ان سب حدیثوں کو سنادوں اور اسی وقت ان کو زبانی سنا دیا،

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنی تختیاں دکھائیں تو ابن شہاب نے مزید چالیس احادیث لکھائیں، انھوں نے کہا کہ اگر تم ان کو یاد کر لو گے تو ان کے حافظ ہو جاؤ گے، میں نے کہا کہ ان کو ابھی زبانی سنا سکتا ہوں، ابن شہاب نے کہا سناؤ میں نے وہ تمام حدیثیں سنا دیں، اور انھوں نے کہا۔

قم فانت من اوعية العلم، او
قال: انک لنعم المستودع للعلم
اٹھو، تم علم کا خزانہ ہو، یا یہ کہا کہ تم علم کے
لئے بہترین خزانہ ہو،

مطرف بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک نے کہا کہ میں نے مدینہ میں صرف ایک محدث کو فقیہ پایا، میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا کہ ابن شہاب زہری، اے امام صاحب کا قول ہے کہ ابن شہاب نے سب سے پہلے سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے،

۱۲۳ اے ترتیب المذاکر ج ۱، ۱۲۴ اے طبقات ابن سعد ج ۲، ۱۲۵ اے تقدیمہ الجرح والتعديل ص ۲،

ہم لوگ ابن شہاب کے یہاں بھیڑ لگائے رہتے تھے یہ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ معتبر و اثبت مالک ہیں ان کے بعد عمر ہیں۔

علی بن مدینی نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ آپ نے امام مالک کو دیکھا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ان کو ابن شہاب زہری کے یہاں دیکھا ہے، میں نے حساب لگایا تو اس وقت وہ اٹھائیس سال کے تھے، اس سے پہلے وہ نافع کی مجلس درس میں بیٹھتے تھے۔

فقہ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب قرشی زہری مدنی متوفی ۱۲۳ھ رحمۃ اللہ علیہ عالم الحجاز والشام تھے، بہت سے جلیل القدر اور کبار تابعین سے روایت کی تھی۔ فقہ و حدیث کے جامع تھے۔

امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اور وہیں پوری تعلیم حاصل کی، کسی روایت سے

مدینہ منورہ کی دینی و علمی مرکزیت

ان کے طلب علم میں باہر جانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ علم دین اور علمائے دین کا مرکز تھا اور پورے عالم اسلام کے اہل علم اسی حشرچشمہ علم و دین کے پاس آتے تھے، ابو العالیہ ریاحی بصری کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کی روایت سے حدیث سنتے تھے اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے تھے جب تک کہ مدینہ آکر خود ان صحابہ کے منہ سے نہیں سن لیتے تھے، اسی لئے امام مالک نے یہیں رہ کر نہایت احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کیا،

ان کا بیان ہے کہ میں نے اس شہر مدینہ میں ایسے بزرگوں کو پایا ہے جن کے وسیلہ سے طلب باران کی دعا کی جائے تو ضرور بارش ہو جائے، انھوں نے احادیث کی

روایت بھی کی تھی، مگر میں نے ان حضرات سے حدیث نہیں حاصل کی، کیونکہ وہ خوف خدا اور زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کر چکے تھے، اور یہ علم دین اور علم حدیث وفقہ زہد و تقویٰ اور خوف خدا کے ساتھ اتقان، اور فہم کا بھی متقاضی ہے۔ تاکہ روایت کرنے والا سمجھ سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اور کل اس کا انجام کیا ہوگا؟ جس عالم میں اتقان، معرفت اور دین کی فہم نہ ہو، نہ وہ محبت اور دلیل ہو سکتا ہے، اور نہ اس سے علم دین حاصل کیا جاسکتا ہے، ہم کو حق نہیں ہے کہ ان کو مشہم و ترادیں مگر وہ علم حدیث کے حامل نہیں ہیں، امام صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے بہت سے اہل علم کو دیکھا ہے جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے مگر ان سے علم حاصل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ امام صاحب سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے عمرو بن دینار سے حدیث پڑھی ہے؟ تو کہا کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے اور طلبہ کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے، مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوا کہ اس طرح میں حدیث رسول لکھوں،

ایک مرتبہ امام صاحب ابو الزناد کے حلقہ درس سے گزرے مگر وہاں نہیں ٹھہرے، بعد میں ابو الزناد نے پوچھا کہ آپ میرے یہاں کیوں نہیں بیٹھے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ جگہ تنگ تھی، اور میں نے کھڑے ہو کر حدیث رسول حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

زمانہ طلب علم میں معاشی تنگی

امام صاحب کا خاندان معاش و معیشت کی وجہی زندگی بسر کرتا تھا، قاضی عیاض نے

ان کے والد کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے۔

وكان يعيش من صنعة النبل^۱ وہ تیر سازی کے ذریعہ زندگی بسر کرتے تھے،

اور جیسا کہ معلوم ہوا، امام صاحب کے بھائی نظر بن انس بزازی کرتے تھے، ان کے ساتھ

امام صاحب بھی اسی تجارت میں لگے ہوئے تھے، اس ذریعہ معاش سے اتنی آمدنی نہیں

۱۔ ترتیب المدارک ص ۱۲۳، الکفایہ ص ۱۳۳، المحدث الفاضل ص ۲۴، مشکوٰۃ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۸۱،

ہوتی تھی کہ فراخی کے ساتھ امام صاحب طالب علمی کا دور گزار سکیں،

بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراخی و خوش حالی عطا فرمائی اور امام صاحب نہایت مرفہ الحال ہوئے، ایک مرتبہ امام صاحب نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو رعایا کی خبر گیری کی نصیحت کی، تو اس نے کہا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب آپ کی بچی بھوک سے روتی تھی تو آپ خادمہ کو چنگی چلانے کا حکم دیتے تھے تاکہ پڑوس والے رونے کی آواز نہ سن سکیں، جب میں اس کو جانتا ہوں تو کیا رعایا کا حال مجھے معلوم نہیں ہوگا؟ فقر و استغفار کی یہ کیفیت بعض اوقات بڑی صبر آزما ہو جاتی تھی، اس مبتلا کے بعد خوش حالی و فارغ البالی کا دور آیا، ابن قاسم کا بیان ہے۔

افضیٰ بمالک طلب العلم الی ان طالب علمی نے مالک کو اس قدر مغلوک کر دیا
تقبض سقف بیتہ فباع خشبہ، ثم تھا کہ اپنے مکان کے چھت کی لکڑیاں فروخت
حالت علیہ الدنیا بعد لہ کیں، اس کے بعد دنیا حاصل ہوئی،

اس دور ابتلا میں امام صاحب کا یہ حال تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر حدیث یاد کرتے تھے، اور جب ان کی بہن اپنے والد سے اس کا تذکرہ کرتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ وہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ دیکھ رہی ہیں

چند مشہور شیوخ و اساتذہ | امام مالکؒ نے جن شیوخ و اساتذہ سے علم دین حاصل کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں

اجلہ تابعین اور مشہور فقہار و محدثین ہیں۔ زرقانی نے کہا ہے کہ نو شیوخ سے زائد امام مالک کے استاد ہیں۔ غافقی نے پنجانوے کے نام بیان کئے ہیں۔ چند حضرات کے نام یہ ہیں۔ ربیعہ رانی، نافع مولیٰ ابن عمر، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، نعیم بن عبد اللہ الحمز، زید بن اسلم، حمید الطویل، سعید مقبری، ابو حازم سلمہ بن دینار،

شریک بن عبداللہ بن ابونمیر، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، ابوالزناد، محمد بن منکدر،
عبداللہ بن دینار، ابوطوالہ، عبدربہ بن سعید، یحییٰ بن سعید، عمر بن ابو عمرو مولیٰ مطلب، ہمار
بن عبدالرحمن، ہشام بن عروہ بن زبیر، یزید بن مہاجر، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ۔
ابوالزبیر مکی، ابراہیم بن عقبہ، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، اسمعیل بن ابوجحیم،
حمید بن عبدالرحمن، جعفر الصادق بن محمد، حمید بن قیس مکی، داؤد بن حسین، زیاد بن
سعد، زید بن ربیع، سالم بن ابوالنضر، سہیل بن ابوالصالح،
صیفی مولیٰ ابویوب، حمزہ بن سعید، طلحہ بن عبدالملک اہلی، عبداللہ بن ابوبکر بن حزم،
عبداللہ بن فضل ہاشمی، عبداللہ بن یزید مولیٰ اسود، عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابوصعود،
عبدالرحمن بن قاسم، عبید اللہ بن ابوعبداللہ الاغر، عمرو بن مسلم بن عمارہ، عمرو بن یحییٰ بن
عمارہ، قطن بن وہب، ابوالاسود یتیم عروہ، محمد بن عمرو بن حلوہ، محمد بن یحییٰ بن حبان،
محمّد بن بکیر، اور علماء و محدثین کی ایک بڑی جماعت، لے

مسنودرس و افتاء امام صاحب ذہانت، محنت، اور ذوق و شوق کی بنا پر
سترہ سال کی عمر میں جملہ دینی علوم میں درجہ کمال کو
پہنچ گئے تھے، اور اسی عمر میں اپنے اساتذہ و شیوخ کی شہادت و اجازت پر مسند
درس و افتاء پر بیٹھے، خود بیان کرتے ہیں کہ۔

ما افتیت حتیٰ شہد لی سبعون جب تک شہر علماء نے میرے بارے میں
آئی اہل لذلك لے شہادت نہیں دی کہ افتاء کا اہل ہوں میں
نے فتویٰ نہیں دیا،

اس وقت ان کے کئی شیوخ زندہ تھے اور ان کی حیات میں امام صاحب فتویٰ دیا
کرتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا، اس وقت

امام مالکؒ کا حلقہ درس و افتاء قائم تھا، ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی ہی میں امام مالکؒ فتویٰ دینے لگے تھے، بقول مصعب امام مالکؒ کا حلقہ درس نافع کی زندگی ہی میں ان کے حلقہ درس سے بڑا تھا، شعبہ کا بھی یہی قول ہے۔ لہٰذا امام صاحب کے حلقہ درس و افتاء میں ان کے اساتذہ و شیوخ بھی شریک ہوتے تھے، ان کا قول ہے۔

قلّ رجل كنت أعلم منه مامات حتى عيئني وليستقيني له
میرے اساتذہ میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مرنے سے پہلے میرے پاس آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو،

امام صاحب کی مجلس درس و افتاء دو جگہ منعقد ہوتی تھی، ایک مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے روضۂ جنت میں، جہاں امام صاحب اپنے استاد نافع کی زندگی میں بیٹھ کر ان سے علم حاصل کرتے تھے، اور دوسری وادی عقیق کے مقام جرف میں جہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔

گھر کی مجلس میں امام صاحب کے دائیں بائیں تکیے رکھے جاتے تھے عود سلگائی جاتی تھی، پنکھے رکھے جاتے تھے، مجلس میں شور اور ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔ قریش اور انصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی مگر کیا مجال کہ ذرا آداب مجلس اور سکون و وقار میں فرق آئے، بیرونی طلبہ اگر کوئی سوالات کرتے تو امام صاحب ان کے جواب باری باری سے دیا کرتے تھے، حدیث رسول کا ادب ہر حال میں مقدم رہتا تھا۔

طریقہ درس یہ تھا کہ امام صاحب کے کاتب خاص صیب حدیث پڑھتے تھے، اور تمام شرکاء درس

امام صاحب کا طریقہ درس

خاموشی سے سنتے تھے، کوئی شخص امام صاحب کی ہیبت اور رعب داب کی وجہ سے نہ

اپنی کتاب میں دیکھتا تھا اور نہ کوئی سوال کرتا تھا، اگر حبیب کوئی غلطی کرتے تو امام صاحب تصبیح کر دیتے تھے، اپنی کتاب موطا خود پڑھ کر کسی کو نہیں سناتے تھے، جب دروازہ پر طلبہ کا ہجوم ہو جاتا تو اندر بلانے کا حکم دیتے تھے، پہلے خاص طلبہ پھر عام طلبہ کو بلاتے تھے کبھی کبھی امام صاحب خود بھی اپنی کتاب طلبہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے چودہ مرتبہ امام صاحب سے ان کی کتاب موطا سنی ہے،

محدثین کے نزدیک اگر شاگرد اپنے استاد کے سامنے حدیث پڑھے اور استاد سنے تو عرض کہتے ہیں، ایسی صورت میں شاگرد حد ثنا کہہ سکتا ہے، اور اگر اس کے برخلاف استاد حدیث پڑھے اور شاگرد سنے تو ایسی صورت میں اخبار نا کہنا چاہئے امام صاحب دونوں صورتوں پر عمل کرتے تھے۔ لہ

امام صاحب کی صاحبزادی فاطمہ کو موطا زبانی یاد تھی، درس کے وقت وہ دروازہ کی آڑ میں کھڑی رہتی تھیں۔ جب کوئی قاری موطا غلطی کرتا تھا تو ناخن سے دروازہ کھٹکھٹاتی تھیں، امام صاحب سمجھ جاتے تھے اور اس کی تصبیح کرتے تھے، کبھی کبھی امام صاحب کے لڑکے یحییٰ لا ابالی پن کے ساتھ مجلس درس میں آجاتے تھے تو امام صاحب شاگردوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے کہ ادب سکھانے والا اللہ ہے، یہ میرا لڑکا ہے اور یہ میری لڑکی ہے، بعد میں یحییٰ بن امام مالک کالا ابالی پن ختم ہو گیا تھا اور وہ موطا کے راوی اور زبردست عالم ہوئے۔ ان سے یمن میں موطا کی روایت کی گئی، انھوں نے مہر جاکر درس حدیث دیا ہے یہ

خلیفہ کے صاحبزادے مجلس درس میں | خلیفہ مہدی ایک مرتبہ حج کے موقع پر مدینہ منورہ گیا، امام

مالک اس کی ملاقات کو گئے، خلیفہ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا، اور اپنے دونوں

صاحبزادوں موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ امام صاحب سے حدیث پڑھیں، ارکانِ دولت نے ان کو بلایا مگر نہیں گئے، خلیفہ نے اس کی وجہ معلوم کی، امام صاحب نے کہا کہ امیر المؤمنین! علم قابلِ احترام چیز ہے، اس کے پاس آنا چاہئے، خلیفہ نے اس بات کو تسلیم کیا اور صاحبزادوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہا گیا کہ آپ ان کو حدیث پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب نے کہا کہ اس شہر میں استاد کے سامنے پڑھا جاتا ہے جس طرح بچہ اپنے استاد کے سامنے پڑھتا ہے، اور جب بچہ غلطی کرتا ہے تو استاد صحیح کر دیتا ہے صاحبزادوں نے خلیفہ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی، خلیفہ نے امام صاحب کے پاس آدمی بھیج کر کہلوا یا کہ آپ نے موسیٰ اور ہارون کو بلانے کے بعد ان کو پڑھانے سے انکار کر دیا، امام صاحب نے جواب میں کہلوا یا کہ امیر المؤمنین! میں نے ابن شہاب سے سنا ہے کہ ہم نے سعید بن مسیب، ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، سالم، خارجہ، سلیمان اور نافع سے اسی طرح اس مقام میں علم حاصل کیا ہے، نیز ابن ہرمز، ابوالزناد، ربیعہ، بحر العلم ابن شہاب وغیرہ کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تھی، وہ حضرات خود نہیں پڑھتے تھے، اس کے بعد خلیفہ مہدی نے صاحبزادوں سے کہا کہ تم جا کر خود پڑھو، یہ ائمہ دین قدوہ اور اسوہ ہیں، چنانچہ صاحبزادوں کے مودب و معلم نے امام صاحب کے سامنے حدیث پڑھی اور صاحبزادوں نے سنی،

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہارون رشید کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اور اس کے صاحبزادے وادی عقیق میں امام صاحب کے مکان پر گئے، دروازہ کھلنے تک باہر بیٹھے رہے، اور وہاں کے گرد و غبار میں اُٹے رہے۔ لہ

ایک عالم مجلس درس میں | امام صاحب کی مجلس درس کا یہ واقعہ خلیفہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں امام صاحب نے

صاحبزادوں کے پڑھانے شدت سے انکار کیا اور اسی پر قائم رہے، اس کے مقابلہ میں ایک عابد و زاہد عالم کا واقعہ سنئے، جس نے امام صاحبؒ کی حدیث پڑھوا کر سنی، عبد الملک بن عبد العزیز ماجشون بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کی مجلس درس میں موجود تھا، طبقہ صوفیہ کے ایک عالم نے آکر امام صاحب سے کہا کہ آپ تین حدیثیں مجھ سے بیان کر دیں، امام صاحب نے کہا کہ تم کو ضرورت ہو تو ان کو پڑھ کر مجھے سنا دو اور پھر مجھ سے ان کی روایت کرو، اس عالم نے کہا کہ ابو عبد اللہ! ہمارے یہاں عرض کا رواج نہیں ہے، (القراءة علی المحدث) امام صاحب نے کہا کہ تم اس کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہو، وہ عالم بار بار یہی کہتے تھے اور امام صاحب یہی جواب دیتے تھے۔ جب امام صاحب مجلس سے اٹھنے لگے تو انھوں نے امام صاحب کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ اس قبر والے کے رب کی قسم جب تک آپ تینوں حدیثیں مجھ سے بیان نہیں کریں گے میں دامن نہیں چھوڑوں گا۔ امام صاحب نے اپنے شاگرد ابو طلحہ سے کہا کہ تم مجھ کو اس آدمی سے بچاؤ، مجھے دیوانہ معلوم ہوتا ہے، ابو طلحہ نے کہا کہ یہ شخص دیوانہ نہیں معلوم ہوتا ہے، آپ مناسب سمجھیں تو تینوں حدیثیں بیان کر دیں۔ اس کے بعد امام صاحب نے اس عالم سے کہا کہ اچھا آؤ، کیا چاہتے ہو بیان کرو، اس نے کہا کہ پہلی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو کیا آپ کے سر پر مغفرہ (خود) تھا؟ امام صاحب نے کہا کہ

: حدثني الزهري، عن انس أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ

يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمَغْفِرَةُ، قَالَ: فَقَالَ ابْنُ شَهَابٍ: وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ مُحَرَّمًا،

اس صوفی عالم نے کہا کہ دوسری حدیث یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے دو بیویاں تھیں، ان میں ایک عورت نے ایک لڑکے کو

دودھ پلایا اور دوسری عورت نے ایک لڑکی کو،

امام صاحب نے کہا: حدیثی ابن شہاب عن عمرو بن الشریدان
ابن عباس سئل عن رجل له امرأتان، ارضعت احداهما غلاما، والاخری
جاریۃ، أیتنا کحان؟ قال: لا، الفنا ام واحد،

اس صوفی عالم نے کہا تیسری حدیث یہ ہے کہ کیا ابن عمر نے اقامت سنی، اور وہ
بقیع میں تھے؟۔ امام صاحب نے کہا کہ:

حدیثی نافع عن ابن عمر انه سمع الاقامۃ، وهو بالبقیع فاسرع المشی،

امام صاحب کے تلامذہ میں ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ الشیعی مصوری
ایک اندلسی طالب علم | اندلسی متوفی ۲۳۴ھ بڑے مقام و مرتبہ کے مالک ہیں،

وہ اندلس سے چل کر امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے اور ان کے حلقہ درس
میں شریک ہوئے، ایک دن شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے، اور تمام طلبہ ہاتھی دیکھنے کے لئے
باہر چلے گئے مگر یحییٰ بن یحییٰ مصوری اپنی جگہ سے نہیں اٹھے، امام صاحب نے ازراہ دجول
ان سے کہا کہ تم بھی جاؤ ہاتھی دیکھ آؤ، لائق شاگرد نے اس کا شفقت و محبت کا
جواب دیا آج کل کے اساتذہ و تلامذہ کے لئے باعث عبرت و موعظت ہے یحییٰ
بن یحییٰ نے کہا کہ

انما جئت من بلدی لا نظرا لیک
واتعلم من هدیك وعلمك و
لما جئ لا نظرا لی الفیل -
میں اپنے شہر سے آپ کو دیکھنے اور آپ سے
علم و ادب سیکھنے کے لئے آیا ہوں، میں
ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں،

امام صاحب اپنے تلمیذ رشید کا یہ جواب سنکر بہت خوش ہوئے اور ان کو عاقل
اہل الاندلس کے خطاب سے نوازا، یحییٰ بن یحییٰ جب اندلس پہنچے تو وہاں ان کے

علم و فضل کا شہرہ یوں عام ہوا کہ علمی اور دینی سیادت ان پر ختم ہو گئی، اور بلاد اندلس میں ان کی علمی و دینی جدوجہد سے مالکی مسلک کو فروغ ہوا، خاص طور سے ان سے موطا امام مالک کی روایت کی گئی، موطا کی متعدد روایات اور اس کے کئی نسخے ہیں جن میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت اور ان کا نسخہ بہت ہی زیادہ مشہور و مقبول اور اپنی علم میں متداول ہے۔ لہ

امام مالک کی درسگاہ سے دینی و علمی فیض یافتہ تلامیذ و اصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہے قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں ان کے نام حروف تہجی پر جمع کئے تو ان کی تعداد تیرہ سو سے زائد نکلی، پہلے ان کے خوشہ چینوں میں ان کے مشائخ، اساتذہ، اقران و معاصرین اور نوعمروں کے نام لکھے ہیں، پھر اہل عراق، اہل مشرق، اہل حجاز، اہل یمن، اہل قیروان، اہل اندلس، اہل شام کے نام درج کئے ہیں اور صفحہ ۲۵۴ سے صفحہ ۲۷۹ تک پچیس صفحات میں یہ فہرست دی ہے، لہ۔ ذہبی نے لکھا ہے۔

حدث عنه ائمہ لا یکادون یحسون^۳ امام مالک سے اتنے زیادہ لوگوں نے حدیث کی روایت کی کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا،

ابن حجر نے امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ان کے ان شیوخ و اساتذہ کے نام دیئے ہیں، ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید القاری، یزید بن عبد اللہ بن ہاد وغیرہ اور معاصرین میں اوزاعی، سفیان ثوری، ورقار بن عمر، شعبہ بن حجاج، ابن جریج، ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد مصری، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔ ان کے بعد یحییٰ بن سعید قطان، عبد الرحمن بن مہدی، امام شافعی، عبد اللہ بن مبارک

ابن وہب، ابن قاسم، ابو عاصم، ابو الولید طیالسی، معن بن عیسیٰ، سعید بن منصور مکی
بن ابراہیم، یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر وغیرہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔^{۱۵}

فقہ و فتویٰ | امام مالک فقہائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں، ان کا فقہی مسلک
اہل مدینہ خاص طور سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق

تھا، رائے اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے، ان کے پہلے استاد ربیعہ رائی ہیں جن کے
بارے میں امام صاحب کا قول ہے۔

ذہبت حلاۃ الفقہ منذ
مات ربیعۃ ۳۵۔
ربیعہ کے انتقال کے بعد فقہ کی شیرینی
ختم ہو گئی۔

دوسرے استاد ابن شہاب زہری کے متعلق امام صاحب کا قول مطرف بن عبد اللہ
نے نقل کیا ہے۔

ما أدركت بالمدینۃ فقیہاً محدثاً
غیر واحد، فقلت من هو؟ فقال:
ابن شہاب الزہری، ۳۵
میں نے ایک شخص کے علاوہ مدینہ میں کوئی
فقہی محدث نہیں پایا۔ میں نے پوچھا وہ کون
ہے؟ کہا کہ ابن شہاب زہری،

امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان فقہ و فتویٰ میں حضرت عبد اللہ بن
مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متبع تھے اور محدثین کی ایک جماعت ان کے تفقہ
و افتاء پر کبے خلاف تھی، مگر امام مالک کے بعض تلامذہ نے ان کو حماد بن ابی سلیمان
سے بڑا عالم فقہ بتایا ہے، عبد الرحمن بن رستہ کا بیان ہے کہ میں نے عبد الرحمن
بن مہدی سے کہا گیا کہ ابو سعید! معلوم ہوا ہے کہ آپ امام مالک کو امام ابو حنیفہ سے
بڑا عالم فقہ مانتے ہیں؟ ابن مہدی نے کہا کہ میں یہی نہیں کہتا ہوں بلکہ کہتا ہوں کہ

مالک ابو حنیفہ کے استاد حماد سے بھی بڑے عالم فقہ ہیں۔ ایک روایت میں ابن مہدی نے امام مالک کو ابو حنیفہ سے افقہ (زیادہ فقہ کا جاننے والا) کہا ہے، لہ

ابن حزم نے امام مالک کو الفقیہ لکھا ہے، ذہبی نے فقیہ الامت کے لقب سے یاد کیا ہے، ابن حجر نے بھی الفقیہ بتایا ہے، ابن قتیبہ نے امام صاحب کا ذکر اصحاب الراے میں کیا ہے، ابن ندیم نے اخبار الفقہاء میں سب سے پہلے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن وہب کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں منادی کرنے والے کو سنا، کہتا تھا

کہ مالک اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کوئی عالم لوگوں کو فتویٰ نہ دے، اُن ہی کا بیان ہے کہ میں نے سنہ ۱۳۷ھ میں حج کیا تو سنا کہ منادی کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مالک، ابن ابی ذئب اور عبدالعزیز ماجشون کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے، لہ

امام صاحب کے بھانجے اسمعیل بن ابی اویس کہتے ہیں کہ میرے ماموں جب تک لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ نہیں کہتے تھے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ لہ

امام صاحب کہتے ہیں کہ میرے لئے یہ سخت گراں باری ہے کہ مجھ سے حلال و حرام کے

فتویٰ میں غایت احتیاط

بارے میں پوچھا جائے، میں نے اپنے شہر مدینہ میں ایسے علماء و فقہاء کو دیکھا ہے جن کے نزدیک موت فتویٰ دینے سے بہتر تھی، اور اب میں اپنے زمانہ والوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ فقہ و فتویٰ کے بارے میں خواہش ظاہر کرتے ہیں، اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا تو اس سے باز آجائیں، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما خیار صحابہ میں سے تھے، ان کے سامنے مسائل آتے تو صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کر کے فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ہمارے زمانہ والوں کے لئے فتویٰ دینا فخر کا سبب ہے

لہ تقدیمہ الجرح والتعديل ص ۱۱، ص ۱۶، لہ جہتہ الساب العرب ص ۲۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳

تہذیب التہذیب ج ۵، المعارف ص ۲۱۸، الفہرست ص ۲۸، ابن خلکان ص ۱۲، لہ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳

اسی لئے ان کو اسی کے مطابق علم دیا جاتا ہے اور وہ حقیقی علم سے محروم رہتے ہیں، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ وہ کہیں یہ حلال ہے، اور یہ حرام ہے، بلکہ وہ کہتے تھے میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس بات کو پسند کرتا ہوں، کیونکہ حلال و حرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال و حرام بتایا ہے، لہ

تعبنی کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا، اور سلام کے بعد بیٹھ گیا دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، میں نے رونے کی وجہ معلوم کی تو بتایا کہ ابن تغلب! مجھ سے زیادہ اور کون رونے کا مستحق ہے، واللہ میری خواہش ہے کہ ان تمام مسائل کے بدلے جن میں میں نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا ہے مجھے کوڑے مارے جائیں اور سابقہ لغزشوں سے نجات مل جائے۔ اے کاش! میں اپنی رائے سے فتویٰ نہ دیا ہوتا، لہ

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کے یہاں تھے، ایک شخص نے آکر کہا کہ ابو عبداللہ! میں چھ ماہ کی مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میرے شہر والوں نے چند مسائل دریافت کرنے کے لئے مجھے خاص طور سے آپ کے پاس بھیجا ہے، اس کے بعد اس نے چند مسائل دریافت کئے، امام صاحب نے سن کر کہا کہ لا احسن یعنی ان کے بارے میں مجھے تحقیق نہیں ہے، یہ جملہ سن کر وہ آدمی سخت حیرت میں پڑ گیا اور بولا کہ میں اپنے شہر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ امام صاحب نے کہا کہ تم ان سے کہنا کہ مالک نے کہا کہ وہ ان کے متعلق تحقیق نہیں رکھتے ہیں، لہ

ہشتم بن جبیل کہتے ہیں کہ میرے سامنے امام صاحب سے اڑتالیس مسائل دریافت

۱۔ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۲، ۲۔ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۱، ۳۔ تقدیمہ الجرح والتعديل

جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۳، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۵،

کئے گئے تو سینتیس^{۳۳} میں کہا کہ لا ادری یعنی میں نہیں جانتا ہوں خالد بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب کے چالیس^{۳۴} مسائل معلوم کئے تو صرف پانچ کا جواب دیا، ابن وہب کا قول ہے کہ امام صاحب اکثر مسائل میں لا ادری کہہ دیا کرتے تھے، امام صاحب کا قول ہے کہ بسا اوقات میں ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے پوری رات جاگتا ہوں، اور ایک مسئلہ میں دس سال سے غور کر رہا ہوں مگر اب تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔

امام صاحب اتباع سنت میں بہت سلف کا اتباع اور بدعت سے نفرت آگے تھے، بدعات و محدثات سے

سخت متنفر تھے اور عقائد میں کتاب و سنت کے سخت پابند تھے، ہر دینی معاملہ میں سلف صالحین کو اسوہ و قدوہ بناتے تھے، ان کے دور میں اعتزال، علم کلام، جبر و قدر، رفض و خروج اور طرح طرح کے مسائل و فرق پیدا ہو گئے تھے۔ مگر آپ ان سب سے دور رہ کر سلف کے راستہ پر چلتے تھے، ایک شخص نے امام صاحب سے سوال کیا کہ الرحمن علی العرش استوی کا کیا مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا،

الاستواء منه معلوم، والکیف منه غیر معقول، والسؤال عن هذا بدعت، والایمان به واجب، ہے۔ اور اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔

ایک شخص ابو الجویرہ نامی فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے ایک دن امام مالک سے کہا کہ ابو عبد اللہ! آپ سے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، ان کو سنئے میں ان کے

متعلق آپ سے بحث و مباحثہ کروں گا، اما صاحب نے کہا کہ تم مجھ کو اپنے اوپر گواہ نہ بناؤ، ابوالجورہ نے کہا کہ واللہ میرا مقصد تلاشِ حق ہے، آپ ان کے بارے میں جواب دیں، اگر حق ہوگا تو میں قبول کر لوں گا، ورنہ آپ مجھے قائل کرنے کے لئے دلائل پیش کریں گے۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر اس بحث و مباحثہ میں تم غالب آگئے۔ اس نے کہا کہ ایسی صورت میں آپ میری بات تسلیم کر لیں گے، امام صاحب نے کہا کہ اور اگر میں غالب آگیا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کی بات مان لوں گا۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر اس درمیان میں کوئی تیسرا آدمی آگیا اور وہ ہم دونوں پر غالب آگیا؟ اس نے کہا کہ تب ہم دونوں اس کی بات مان لیں گے، اس پر امام صاحب نے کہا کہ

یا عبد اللہ! بعث اللہ محمدًا بدين
واحدٍ واراك تنتقل، وقال عمر
بن عبد العزيز ^{رحمہ اللہ} من جعل دينه
غرضاً للخصومات اكثر التناقل
اللہ تعالیٰ کے بندے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک
دین دیکر بھیجے گئے اور میں تم کو دیکھتا ہوں
ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو رہا
ہو، عمر بن عبد العزیز نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے دین
کو لڑائی جھگڑے کا نشانہ بنائے گا وہ دین بدلتا رہے گا

ایک شخص نے امام صاحب سے علمِ باطن کے بارے میں سوال کیا، آپ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ باطنی علم وہی عالم جانتا ہے جو ظاہری علم جانتا ہے، اور یہ علم قلب میں نور پیدا ہونے پر ملتا ہے، پھر اس سے کہا کہ

عليك بالدين المحض، وإياك
وبنيات الطريق، وعليك بما
تعرف، وأترك ما لا تعرف،
جب کوئی ہو پرست اور سخرِ العقیدہ آدمی آپ سے گفتگو کے لئے آتا تھا
تم خالص دین اختیار کرو، خبردار ادھر ادھر
کی باتوں پر نہ جاؤ، جو جانتے ہو اس کو لے لو
اور جو نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو،

تو یہ کہہ کر اس سے علیحدہ ہو جاتے تھے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور تم شک و شبہ میں مبتلا ہو، تم اپنے جیسے آدمی سے بحث و مباحثہ کرو،

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے حج کا احرام میقات سے پہلے ہی مدینہ سے باندھ لیا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اس کا یہ فعل اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف ہے، ایسے شخص کے بارے میں دنیا میں فتنہ اور آخرت میں دردناک عذاب کا ڈر ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے؟

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ

ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان کو فتنہ

أَمْرُهُ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ

لگ جائے یا ان کو دردناک عذاب ہو،

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ میقات سے احرام باندھا جائے، لہ

سلف صالحین کے یہاں علم و عمل، زہد

زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت

تقویٰ، عبادت و ریاضت کا مطلب

دین تھا اور وہ جملہ صفات کے جامع اور ترجمان تھے، امام مالک میں یہ تمام اوصاف

بدرجہ اتم موجود تھے،

امام صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا قلب روشن ہو،

موت کی سختی سے نجات ہو، قیامت کے شدائد سے محفوظ رہے، اس کا باطنی عمل ظاہری

عمل سے زیادہ ہونا چاہئے۔

مصعب بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا تھا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، اور

سرنگوں ہو جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اگر تم لوگ دیکھتے تو میری حالت پر تعجب نہ کرتے، محمد بن منکدر سید القراری تھے، ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے تو رونے لگتے تھے، میں ایک مدت تک ان کے یہاں آیا گیا ہوں اور ہمیشہ ان کو تین حالت میں سے کسی حالت میں پایا ہے، نماز میں مشغول رہتے، یا روزہ سے ہوتے یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے، حدیث رسول با وضو بیان کرتے تھے، وہ عباد و زہاد میں سے تھے، میں ان کے یہاں جاتا تو تکیہ رکھ دیتے تھے۔ جب میں اپنے دل میں سختی اور غفلت پاتا ہوں تو محمد بن منکدر کو ایک نظر دیکھ لیتا ہوں، اور کئی دن تک میرا نفس نیک اثرات سے متاثر رہتا ہے، امام صاحب ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت کرتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ آپ اس ماہ کا استقبال و افتتاح عبادت سے کر رہے ہیں، صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ، نوافل وغیرہ پورا کرتے تھے اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے

مغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات گئے میں امام صاحب کے پاس سے گذر رہا تھا۔ وہ الحمد للہ کے بعد سورۃ الہاکم التکاثر پڑھ رہے تھے، میں ٹھہر گیا، امام صاحب جب لُتْسَانُ یَوْمُئِذٍ عَنِ النَّعِیمِ پر پہنچے تو دیر تک روتے رہے، اور یہی آیت دہراتے رہے، ان کا یہ حال دیکھ کر میں وہیں رہ گیا، صبح ہوتے ہوتے رکوع کیا، میں وضو کر کے مسجد میں گیا، دیکھا کہ امام صاحب اسی حال میں ہیں، اور ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع و سجود کرتے تھے، کوڑے کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہلکی نماز پڑھیں، فرمایا کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ کے لئے جو عمل کرے اچھی طرح کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَیَبْلُوَنَّکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا، امام صاحب کے اخفائے حال کا یہ عالم تھا کہ اپنے رومال کو تہ کر کے رکھتے تھے اور نماز کے وقت اس پر سجدہ کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ

میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے جس کو دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ میں قیام لسیل کرتا ہوں،

فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے قلب کی اصلاح گھور پر بیٹھنے سے ہو جائے گی تو میں اس پر جا کر ضرور بیٹھوں گا، امام صاحب نفل عبادت تنہائی میں کرتے تھے تاکہ کوئی نہ دیکھ سکے اور ان کی بزرگی کا شہرہ نہ ہو، لہ

امام مالک ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق ذاتی اوصاف اخلاق اور عادات

حمیدہ کے جامع تھے جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے، اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا اسوہ اور نمونہ تھی، امام صاحب کے مکان واقع وادی عقیق کے دروازے پر مَا شَاءَ اللہ لکھا تھا، بعض لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بتایا کہ قرآن حکیم میں ایک واقعہ کے ضمن میں ہے کہ

وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللہ
اور باغ بھی گھر ہی ہے۔
جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو
ما شاء اللہ کیوں نہیں کہا،

دوسرا مکان مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا، جس میں کرایہ پر قیام پذیر تھے، ایک مرتبہ خلیفہ مہدی نے آپ سے ذاتی مکان کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّ نَسَبَ الْمَرْءِ دَارُهُ یعنی آدمی کا نسب اس کا مکان ہے، حضرت ابن مسعود کے مکان کی نسبت کافی ہے، آپ کا مکان نہایت صاف ستھرا، سجا سجا یا رہتا تھا، عمدہ عمدہ گدے، تکیے اور فرش رکھے اور مجھے رہتے تھے، آپ کا

کاشانہ شاہانہ دربار معلوم ہوتا تھا، کپڑے نہایت نفیس اور قیمتی ہوتے تھے، فرماتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تحدیثِ نعمت اور اس کا عملی شکریہ ہے، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ کے گھر میں تصویر ہے، امام صاحب نے کہا کہ اب تک میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے، پھر مخاطب سے کہا کہ تم اس کو مٹا دو،

مدینہ منورہ میں سواری پر کبھی نہیں چلتے تھے، کہتے تھے کہ جس سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جس خاک پر آپ چلے پھرے ہیں۔ اس پر سواری کرنا ادب کے خلاف ہے،

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کے دروازے پر عمدہ عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے، میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب تم کو ہبہ کرتا ہوں، میں نے کہا کہ کم از کم ایک رکھ لیں، اس پر کہا کہ انا استحي من الله ان اطأ ترابہ۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ نبی اللہ یحافز دابة اللہ کے رسولؐ کی سرزمین کو چوپایہ کے پیرے روندوں،

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر سواری کرتے تھے، ابوالسمع کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب کو ایک عمدہ خچر پر سوار دیکھا ہے، جس پر نہایت نفیس زین تھی، اس کے اوپر کپڑا تھا، خادم پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اسی حال میں وادی عقیق والے مکان کے دروازہ تک گئے۔ خورد و نوش کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا، امام صاحب کے بھانجے اسمعیل بن ابوالیس کہتے ہیں کہ روزانہ دو درہم کا گوشت خریدا جاتا تھا، اس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، اس کے لئے بعض اوقات سامان تجارت فروخت کرنا پڑتا تھا، اپنے باورچی سلمہ کو حکم دیتے تھے کہ جمعہ کے دن کھانہ زیادہ تیار کرے، مشروبات میں گرمی کے ایام میں شکر اور جاروں میں شہد استعمال کرتے تھے،

امام صاحب کو لیلہ بہت مرغوب تھا، کہتے تھے کہ اس پھل پر نہ مکھی بیٹھی ہے، نہ گند

ہاتھ لگتا ہے، جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے، سردی گرمی ہر موسم میں ملتا ہے، یہ جنت کے پھل کی خصوصیت ہے یعنی اکلھا دائم، بال بچوں اور گھردالوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس میں تمہارے رب کی مرضی، تمہارے مال میں زیادتی اور تمہاری عمر میں درازی ہے، جیسا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کی روایت سے معلوم ہوا ہے،

کثیر الصمت اور قلیل الکلام تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراتے تھے۔ امام صاحب کے پاس چار سو دینار تھے، اسی سے تجارتی کار بار کرتے تھے، اور اسی کی آمدنی سے تمام ضروریات زندگی پوری کرتے تھے، ایک مرتبہ تین ہزار دینار پیش کئے گئے تو قبول نہیں کیا، نہ مکان بنوایا اور نہ تجارت میں لگایا، معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے والد نبال یعنی نیزہ گر تھے، اور ان کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ اور امام صاحب بھائی نظر بن انس بزاز تھے امام صاحب بھی ابتدائی دور میں ان کے ساتھ اسی تجارت میں شریک رہتے تھے۔

امام صاحب عقل و فہم میں بچپن ہی سے مشہور تھے۔ ان کے ابتدائی استاذ ربیعہ رائی جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تو کہتے کہ عاقل آگیا۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے مالک سفیان، شعبہ اور ابن مبارک میں مالک کو سب سے زیادہ عقلمند پایا ہے۔ میری آنکھوں نے ان سے زیادہ باعرب، عقلمند، متقی اور عالی دماغ کسی کو نہیں دیکھا، ابن وہب کہتے ہیں کہ ہم نے امام مالک سے علم سے زیادہ ادب سیکھا ہے، خود امام صاحب کا قول ہے کہ میں کبھی کسی سفیہ اور گرے پڑے انسان کے ساتھ نہیں بیٹھتا ہوں،

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی امام صاحب سے تحصیل علم کے بعد ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر اسلامی آداب سیکھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے عادات و شمائل سیکھنے کے لئے قیام کیا کیونکہ یہ صحابہ اور تابعین کے اخلاق و

شامل ہیں، اسی لئے امام صاحب کو عاقل کہا جاتا تھا، لہ

حق گوئی و بے باکی | حق گوئی و بے باکی علمائے اسلام کے امتیازات میں سے ہے۔ امام صاحب اس وصف میں بھی سلف صالحین

کی روش اختیار کرتے تھے، چند واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ خلفاء و امراء سے ملتے تھے اور ان کے سامنے نہایت جرأت کے ساتھ حق بات کہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ ظالم و جابر حکمرانوں کے یہاں آتے جاتے ہیں امام صاحب نے ان سے کہا کہ

یرحمک اللہ، فاین التکلم بالحق لہ ان کے یہاں نہیں تو کہاں حق بات کہی جاگی؟

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس بارہا گیا ہوں مگر میں نے کبھی اس کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا، حالانکہ کوئی ہاشمی اور غیر ہاشمی ایسا نہیں تھا جو اس کے ہاتھ کو بوسہ نہ دے۔ لہ

۱۵۰ میں ابو جعفر منصور ہمارے یہاں مدینہ میں آیا، میں ملنے کے لئے گیا تو اس نے کہا کہ مالک! آپ کے بال بہت زیادہ سفید ہو گئے ہیں، میں نے کہا کہ امیر المؤمنین! جس کی عمر زیادہ ہوتی ہے، اس کے بال میں سفیدی زیادہ ہو جاتی ہے، پھر اس نے کہا کہ مالک! آپ صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ کے قول پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ امیر المؤمنین! وہ آخری صحابی تھے جو ہمارے یہاں زندہ رہے بوقت ضرورت لوگ ان سے دینی سوالات کرتے تھے، اور ان کے قول پر عمل کرتے تھے، ابو جعفر منصور نے یہ سُن کر کہا کہ مالک! کوئی بات نہیں ہے، آپ کے پاس حق ہے،

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جعفر منصور نے مجھ سے پوچھا کہ کیا روئے زمین پر کوئی شخص آپ سے بڑا عالم ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، اس نے کہا کہ آپ مجھے ان کے نام بتلائیے، میں نے کہا کہ مجھے ان کے نام یاد نہیں ہیں، اُس کے بعد اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے علم (مؤطا) کو رائج کروں اور شکر کے امرار اور شہروں کے قضاۃ کو لکھوں کہ اس کو سیکھیں اور رائج کریں، اور اس کی مخالفت کرے اس کی گردن مار دوں، میں نے کہا امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے اُسوہ تھے، آپ غزوات و جہاد کیلئے شکر روانہ فرماتے تھے، اور آپ کی حیات میں بہت سے ملک فتح نہیں ہوئے۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت انجام دی، اب بھی بہت سے ملک فتح نہ ہو سکے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح ہوئے، اور انھوں نے حضرات صحابہ کو مفتوحہ ممالک میں معلم بنا کر بھیجا، ان حضرات سے دین کا علم حاصل کیا جاتا رہا، حتیٰ کہ آج بھی سلسلہ جاری ہے، اگر آپ ان صحابہ کے تلامذہ و تلامذہ میں میرے ہی علم کی ترویج و اشاعت کریں گے تو ان کے یہاں کے اقوال و علوم کے مقابلہ میں یہ علم غیر متعارف معلوم ہوگا۔ اس صورت میں فتنہ برپا ہوگا، اس لئے ہر شہر کے لوگوں کو ان کے یہاں کے علم پر رہنے دیں، آپ خود میرے علم پر عمل کریں، یہ سن کر ابو جعفر نے کہا کہ کتنی دوراندیشی کی بات ہے، آپ میرے لئے مہدی کے لئے یہ علم (مؤطا) لکھ دیں۔

حسین بن عروہ کہتے ہیں کہ ہارون رشید حج کے موقع پر مدینہ آیا اور امام صاحب کی خدمت میں پانچ سو دینار کی ایک تھیلی بھیجی، جب حج سے فارغ ہو کر دوبارہ مدینہ آیا تو امام صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المؤمنین کی خواہش ہے کہ مالک بغداد تک اسکے ہمسفر ہیں، امام صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا کہ تم جا کر کہہ دو کہ وہ تھیلی

مہربند رکھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ
 لو كانوا يَعْلَمُونَ یعنی مدینہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس کو جانیں۔
 یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

امام صاحب کے حاسدوں نے ایک مرتبہ ابو جعفر منصور کے پاس جا کر کہا کہ مالک
 آپ لوگوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عباسی خلافت کے منکر ہیں، یہ سنکر
 ابو جعفر منصور غضبناک ہوا اور امام صاحب کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارے، اس
 میں آپ کا ہاتھ اکھڑ گیا اور بڑی زیادتی کی، مگر اس سے آپ کی عظمت میں اضافہ ہی ہوا
 یہ کوڑے آپ کے لئے گویا زیور بن گئے، اور عوام و خواص میں آپ کی مقبولیت
 بڑھتی گئی۔

سفیان بن عیینہ اور عبد الرزاق صنعانی کا قول
 ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام مالک ائمہ حدیث وفقہ اور معاصرین کی نظر میں

عن عقرب لوگ طلب علم کیلئے سواریوں
 پر سفر کریں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑا
 عالم نہیں پائیں گے،

يوشك ان يضرب الناس اكباد
 الابل يطلبون العلم فلا يجدون
 عالما اعلم من عالم المدينة

ہمارے نزدیک اس عالم مدینہ کے مصداق امام مالک ہیں،
 ائمہ حدیث کے نزدیک مالک، عن تافع، عن ابن عمر کی سند سلسلۃ الذہب یعنی
 سنہری کڑی ہے جس میں کھوٹ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہو گیا

ہوتا جب حدیث و اثر کی بات ہو تو مالک نجم ہیں، جب کسی حدیث کے بعض اجزاء میں شک ہو جاتا تھا تو پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ مالک حدیث میں اثبت الناس تھے، مالک سے جس شخص نے روایت کی ہے، خصوصاً اہل مدینہ اس کے بارے میں جرح و تعدیل کا سوال نہ کرو،

بشر بن عمر زہرائی نے ایک راوی کے بارے میں امام صاحب سے سوال کیا، آپ نے کہا کہ تم نے میری کتاب میں اس کا نام دیکھا ہے؟ اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اس کا نام میری کتابوں میں ضرور دیکھتے، ابن لہیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں مصر میں بکر بن سوادہ آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ اہل حجاز کے لئے آپ نے کس عالم کو چھوڑا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ذوالصبح کے لڑکے یعنی مالک بن انس کہ، یحییٰ بن حیان بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ وہیب کے پاس تھے، انھوں نے ایک حدیث عن ابن جریج و مالک بن انس، عن عبد الرحمن بن القاسم کی سند سے بیان کی، میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سند میں ابن جریج کا نام لکھو، مالک کا نام چھوڑ دو، کیونکہ وہ بقیہ حیات ہیں، میری یہ بات وہیب نے سن لی اور کہا کہ تم کہتے ہو کہ مالک کو چھوڑ دو، ہمارے نزدیک مشرق و مغرب میں اس حدیث کے بارے میں مالک سے زیادہ کوئی قابل اطمینان و مامون نہیں ہے، مالک کے سامنے عرض یعنی پڑھنا دوسرے کے سماع سے زیادہ بہتر ہے۔

احمد بن حنبل سے حرب بن اسمعیل نے سوال کیا کہ ابن شہاب کے بارے میں مالک بن انس بہتر ہیں، یا سفیان بن عیینہ؟ کہا کہ مالک کی حدیث زیادہ صحیح ہے، حرب بن اسمعیل نے کہا اور معمر؟ تو کہا کہ انھوں نے ابن شہاب سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے۔ لے

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام مالک کے چند ایسے مناقب ہیں جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے ہیں (۱)، طولِ عمر اور عُلُوّ روایت (۲)، ذہن کی تیزی اور علم کی وسعت (۳)، ان کے حجت اور صحیح الروایت ہونے پر ائمہ کا اتفاق (۴)، ان کی دینداری، عدالت اور اتباع سنت پر اہل علم کا اتفاق (۵)، فقہ و فتویٰ اور اس کے اصول کی صحت یہ

خوش طبعی اور زندہ دلی

امام صاحب بڑے رعب داب کے آدمی تھے، ان کے سامنے کسی کو بات کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ زاہد خشک تھے، بلکہ حسب موقع ظرافت و خوش طبعی کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابن سرجون شاعر نے امام صاحب کو اپنے اشعار سنانے کی پیش کش کی۔ امام صاحب نے یہ سوچ کر سننے سے انکار کر دیا کہ ہجو یہ اشعار ہوں گے، مگر ابن سرجون نے اصرار کیا تو آپ نے سُنا، وہ اشعار یہ ہیں۔

سلوا مالک المفتی عن الهوى والفتاء * وحب الحسان المعجبات العوارك

مفتی مالک نے الفت، جوانی اور حسینوں سے محبت کرنے کے بارے میں سوال کرو،

فیفتيكم اتى مصيبك وانتم * أسلى هموم النفس عني بذالك

وہ فتویٰ دیں گے کہ میں خطا کار نہیں ہوں، میں تو صرف اس سے غم دور کرتا ہوں۔

فهل في محبت يكتم الحب والهوى * اثم، وهل في ضمة البتها لك،

جو عاشق محبت کو چھپاتا ہے کیا وہ گنہ گار ہے؛ اور کیا وہ برباد ہو رہا ہے؟

یہ اشعار سن کر امام صاحب بے ساختہ ہنس پڑے، حالانکہ کھل کر بہت کم ہنستے تھے۔

محمد بن فضل بقی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے ایک مغنیہ کو یہ اشعار

گاتے ہوئے سُنے

أنت أختی، وانت حرمة جاری وحقیق علی حفظ الجوار

تم میری بہن ہو اور تم میرے پڑوس کی آبرو ہو، اور میرے لئے حق جوار کی حفاظت ضروری ہے
انا للجار۔ مَا تَغِيبُ عَنِّي۔ حافظ للمغیب فی الاسرار

جب تک پڑوسی غائب رہے میں اس کا محافظ ہوں اور اسکے پس غیبت اسکے معاملہ کانگراں ہوں
مَا ابالی اکان بالباب سترٌ مسبلٌ ام بقی بغیر استار

میرے پڑوس کے مکان کے دروازے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بہر حال میں اس کا محافظ و نگراں ہوں
امام صاحب نے ان اشعار کو سن کر کہا کہ اگر ان کو کعبہ کے آس پاس سنایا جائے
تو جائز ہے، تم لوگ اپنے جوانوں کو اس قسم کے اشعار یاد کراؤ، ابو حازم نے کہا ہے
کہ زمانہ جاہلیت والے تم سے اچھے پڑوسی تھے ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

نادی و نار الجار واحدة والیہ قبلی تُنزل القدر

میری آگ اور پڑوسی کی آگ ایک ہے اور مجھ سے پہلے اس کے یہاں دیگ اتارے جلتے ہیں۔
ما ضر جارٌ لی الی اجاورہ ان لا یكون لبابه سترٌ

میں جس پڑوسی کے پڑوس میں رہتا ہوں اس کے دروازے پر پردہ نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے
اعصی اذا ما جارتی برزت حتی یواری جارتی الخدر

جب میری پڑوس نکلتی ہے تو میں اندھا بن جاتا ہوں یہاں تک کہ وہ پردے میں چھپ جاتی ہے
اس قسم کے اشعار سننے سنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے،

بھانجے ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے ساتھ چل رہا تھا، اور میری
خادمہ پانی کا برتن سر پر اٹھائے ہوئے کہہ رہی تھی،

لیتنی ارض سلمی لیتنی ارض سلمی
اے کاش! میں سلمیٰ کی زمین ہوتا، اور اپنے قدموں سے مجھے روندتی

لیتنی درع سلمی لیتنی درع سلمی
اے کاش! میں سلمیٰ کی چولی ہوتا اور وہ مجھے پہنکر اوپر سے چادر اڑھاتی۔

لیتنی خادم سلمیٰ قاعدٌ حیث یراها

اے کاشش! میں سلمیٰ کا خادم ہوتا جو ایسی جگہ بیٹھتا جہاں سے اس کو دیکھتا رہتا۔
امام صاحب نے ان اشعار کو سن کر فرمایا کہ اسمعیل! یہ مرد ہے یا عورت؟ میں
نے کہا کہ یہ بنی عمارہ کی خادمہ غزال ہے۔ آپ نے کہا بہت فصیح و بلیغ ہے اور
حسن ادب رکھتی ہے،

امام صاحب نے ایک جوان کو دیکھا جو اکڑ کر چل رہا تھا، امام صاحب اس
کے پہلو میں جا کر اسی طرح چلنے لگے، اور اس جوان سے پوچھا کہ یہ میری چال اچھی ہے؟
اس نے کہا کہ یہ چال ٹھیک نہیں ہے، امام صاحب نے کہا کہ تب تم کیوں اس طرح
چلتے ہو، یہ سن کر جوان نے اپنی چال درست کر لی،

ابن مہدی نے ایک مرتبہ امام صاحب سے کہا کہ مجھے یہاں مدینہ میں رہتے
ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، معلوم نہیں میرے گھر والوں پر کیا گزر رہی ہے؟
امام صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ بھتیجے! میرے بال بچے مجھ سے قریب ہیں مگر
مجھے خبر نہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے؟

ابن ابومریم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے امام صاحب نے پوچھا مصری!
تمہارے یہاں مسجد میں دربان ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں ہوتے ہیں، کہا کہ
تب یہ مسجد نہیں جیل خانہ ہے،

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن شہاب زہری مدینہ آئے، میں
ان کی ملاقات کے لئے صبح بہت سویرے گیا، وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے، راستہ
میں ملاقات ہو گئی، اس وقت ان کے ساتھ ان کا غلام انس تھا، جس کی شادی
ابن شہاب نے اپنی باندی سے کر دی تھی، ابن شہاب نے ان سے پوچھا کہ تم نے
اپنی بیوی کو کیسا پایا، انس نے جواب دیا کہ آقا! میں نے اس کو جنت پایا ہے،

ابن شہاب نے یہ جملہ سن کر کہا الحمد للہ، اور میں انس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑا، ابن شہاب نے مجھ سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی، میں نے بتایا کہ غلام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیوی اس کی موافقت نہیں کر رہی ہے، جنت میں وسعت اور ٹھنڈک ہے۔ ابن شہاب نے انس سے پوچھا کہ کیا ایسی بات ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں بالکل یہی معاملہ ہے، ابن شہاب میری بات پر بہت دیر تک ہنستے رہے۔

امام صاحب حدیث کے رجال و
بعض معاصرین کے بارے میں کلام

رواۃ کے بارے میں بڑا وسیع و معتبر علم رکھتے تھے، اور ان کی جرح اور تعدیل میں اپنی رائے برملا ظاہر کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض ائمہ علم کے بارے میں ان کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں فتنہ معاشرت کی جھلک پائی جاتی ہے، مثلاً ان کے شاگرد محمد بن فلیح کا بیان ہے کہ امام صاحب نے مجھے قریش کے دو شیوخ سے روایت کرنے کی ممانعت کی، اور خود موطا میں ان سے متعدد روایات لی ہیں اور وہ دونوں شیوخ حجت ہیں، اس روایت کو ابراہیم بن منذر نے نقل کر کے کہا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کلام کرنے سے بہت لوگ نہیں بچ سکے ہیں۔ جیسے امام شعبی کے بارے میں ابراہیم نخعی کا قول، اور خود امام شعبی کا قول عکرمہ کے بارے میں ہے۔ اس قسم کے معاصرانہ اقوال پر اہل علم نے توجہ نہیں دی ہے، اور ان سے عدالت ساقط نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ ان کے ساتھ حجت ہو، جرح مبہم کا اعتبار نہیں ہے۔

امام مالکؒ اور ابن اسحاقؒ
اسی طرح امام مالک نے ایک مرتبہ مدینہ کے مشہور محدث اور امام المغازی محمد بن اسحاق کے

بارے میں کلام کیا، اس کے متعلق ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یہ قول مقبول و معتبر نہیں ہے۔

وَكَذَا لَكَ كَلَامٌ مَّا لَكَ فِي مُحَمَّدٍ
بْنِ اسْحَقَ شَيْئٌ بَلَّغَهُ عَنْهُ تَكَلَّمَ
بِهِ فِي نَسَبِهِ وَعِلْمِهِ، لَه

اسی طرح امام مالک کا قول محمد بن اسحق کے بارے میں ہے کہ ان کو ابن اسحق کی طرف سے کوئی بات پہنچی جو ان کے نسب اور علم سے متعلق تھی۔

ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کی خدمت میں موجود تھا، ایک شخص نے کہا کہ ابو عبداللہ! میں ملک ربے میں وزیر ابو عبید اللہ کی مجلس میں تھا، وہاں محمد بن اسحاق بھی تھے، باتوں بات میں انھوں نے کہا کہ میکہ سامنے مالک کا علم (موطا) پیش کرو، میں اس کا طبیب ہوں، یہ جملہ سن کر امام صاحب نے کہا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ کہتا ہے کہ میکہ سامنے لاؤ، ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے کہا وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے جس کو ہم نے شہر مدینہ سے نکال دیا ہے،

ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ بات امام صاحب نے ایک مرتبہ کہی تھی، پھر انھوں نے ابن اسحاق کے ساتھ انصاف سے کام لیا، نیز امام صاحب نے حدیث میں ابن اسحق پر کلام نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کی اس بات سے انکار کرتے تھے کہ وہ ان نو مسلم یہودیوں کی اولاد سے جو غزوہ خیبر وغیرہ کے واقعات یاد رکھتے تھے، غزوات نبوی کے سلسلہ میں روایات لیتے تھے۔ حالانکہ ابن اسحق ایسی روایت کو حجت نہیں مانتے تھے، اور امام مالک کا حال شدت روایت میں یہ تھا کہ صرف ثقہ و متقن کی روایت بایز مجتہد تھے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام مالک کا یہ قول ابن اسحق کے بارے میں اس وجہ سے ہے کہ ان کی طرف تشیع اور قدرت کی نسبت کی جاتی ہے، جہاں تک ان کے حفظ و صدق کا تعلق ہے وہ صدوق و حافظ حدیث تھے۔ ابن شہاب زہری نے ان کی تعریف کی ہے، اور شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ائمہ دین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے، ایک روایت یہ ہے کہ امام صاحب نے ابن اسحق کے بارے میں ہشام بن عروہ کی تقلید میں یہ بات کہی ہے، یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ ابن اسحق امام صاحب کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ قریش کے قبیلہ بنو تیم کے مولیٰ ہیں امام صاحب نے اس بات کی تکذیب کی ہے یہ بات معاصرانہ اور وقتی تھی مگر بعد کے اہل علم نے اس کو بہت اہمیت دیدی، دونوں بزرگوں کے دل میں جو باتیں نہیں تھیں، وہ سب بیان کی گئیں اور خواہ مخواہ موضوع بحث بن کر کتابوں میں اچھی خاصی جگہ پا گئیں،

بڑے لوگوں کے اقوال ان کی تجرباتی زندگی کے آئینہ دار اور دوسروں

حکیمانہ اقوال

کے لئے رہنما ہوتے ہیں، ان کی بظاہر معمولی باتیں بڑے کام کی

ہوتی ہیں، اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگی سنواری جاتی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے حکیمانہ اقوال کتابوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ چند مقولے درج کئے جاتے ہیں۔

اہل علم کی کئی قسمیں ہیں (۱)، جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انما یخشى الله من عباده العلماء** (۲)، جو عالم علم حاصل کر کے دوسروں کو نہ سکھائے، اس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے **الذین یکتون ما انزلنا من البینات والہدی** (۳)، جو عالم علم حاصل کر کے دوسروں کو سکھاتا ہے، مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ **ان ھو**

إِلَّا كَالْأَنْعَامِ،

زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے کہا کہ جب میں لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں تو ان میں سے کچھ لوگ میری بات مان لیتے ہیں، اور کچھ لوگ مجھے تکلیف دیتے ہیں، میری برائی کرتے ہیں، اور میرے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر تم کو ڈر ہے اور تم سمجھتے ہو کہ لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے تو ان کو چھوڑ دو، اور دل میں ان کی برائی سے بیزاری رکھو، اس میں تمہارے لئے گنجائش ہے، اور جس شخص سے تم کو گزند کا خطرہ نہ ہو اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو، اور اس کو حکم خداوندی پر عمل سمجھ کر کرو، ایسی صورت میں تم خیر ہی دیکھو گے، خاص طور سے جب تم میں اس معاملہ میں نرمی ہو، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا تھا کہ فرعون سے نرم بات کریں، ایسی صورت میں سننے والا تمہاری بات پر دھیان دے گا اور اس کو قبول کرے گا۔

- باطل سے قربت میں ہلاکت ہے، باطل بات میں حق سے دوری ہے، دین اور شرافت میں خرابی کے بعد ملنے والی دنیا میں خیر نہیں ہے۔ اگرچہ کتنی ہی زیادہ ہو، لے
- مجھے معلوم ہوا ہے کہ قیامت میں جن باتوں کا سوال انبیاء علیہ السلام سے کیا جائے گا، ان ہی باتوں کا سوال علماء سے کیا جائے گا،
- منافقوں کی مثال مسجد میں ایسی ہی ہے جیسے چڑیا پخڑے میں ہو کہ جوں ہی اس کا دروازہ کھلا چڑیا اڑ گئی،
- علم دین کثرت روایت سے نہیں آتا ہے، بلکہ وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے، تحصیل علم بہت خوب ہے، البتہ تم دیکھو کہ اس بارے میں صبح سے شام تک کیا کرنا ہے، اس کو اختیار کرو۔

● ایک مرتبہ امام صاحب نے مطرف سے پوچھا کہ میکے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ مطرف نے بتایا کہ دوست تعریف کرتے ہیں اور دشمن برائی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ لوگوں کا یہی حال ہے کہ دوست اور دشمن دونوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو لوگوں کی زبان درازی سے محفوظ رکھے،

● اس اُمت کا آخری طبقہ اسی بات سے صلاح و فلاح پاسکتا ہے، جس سے اس کا پہلا طبقہ کامیاب ہوا ہے۔

● معاصی کی ابتداء، کبر، حسد اور کنجوس سے ہوتی ہے۔

● تم جس چیز سے چاہو کھلواڑ کرو، مگر اپنے دین سے کھلواڑ نہ کرو،

● اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں بات کرنا بدعت ہے۔

● اگر تم کو دو باتوں میں شک اور تردد ہو تو جو بات تمہارے زیادہ موافق ہو، اسی کو اختیار کرو،

● تم علم سے پہلے حلم حاصل کرو،

● جو شخص اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرے گا، اپنی عقل سے آخری عمر تک

مستفید ہوتا رہے گا، اور دوسرے لوگوں کی طرح بڑھاپے میں اس کو نسیان اور بکواس سے نجات رہے گی،

● اللہ کا ادب قرآن میں ہے، اس کے رسول کا ادب سنت اور حدیث میں ہے،

اور صالحین کا ادب فقہ میں ہے۔ لہ

امام صاحب کا رنگ سفید سرخی لئے ہوئے تھا، قد لمبا، سر بڑا

آنکھیں بڑی بڑی، نہایت وجیہ اور حسین و شکیل تھے،

حلیہ اور لباس

ڈاڑھی دراز، مونچھ مناسب، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے، نہایت خوش پوش،
 خوش خور تھے، عدن، خراسان، مرو، اور طراز کے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے،
 عام طور سے کپڑا سفید ہوتا تھا، کبھی ہلکا زرد رنگ کا بھی ہوتا تھا، انگوٹھی میں سیاہ
 نگ ہوتا تھا جس میں حَسْبُنَا اللہُ نَعْمَ الْوَكِيلُ کندہ تھا، عمدہ خوشبو اور عطریات
 استعمال کرتے تھے، عام طور سے خوشحالی کا اظہار کرتے تھے تاکہ علمی شان میں
 حرف نہ آئے، اور جب کوئی اس بارے میں کچھ کہتا تھا تو جواب دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ
 کی نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار ہے

امام صاحب کے زمانہ میں حدیث وفقہ کی تدوین کا سلسلہ جاری

تصانیف

ہو گیا تھا، سنہ ۱۴۱۵ھ اور سنہ ۱۵۱۵ھ کے درمیان عالم اسلام کے بڑے

شہروں میں علمائے اسلام نے فقہی ترتیب و تبویب پر کتابیں لکھیں، اس کے تقریباً تیس سال بعد امام صاحب کی وفات ۹۷۷ھ میں ہوئی اس مدت میں بہت سے علماء نے کتابیں مدون و مرتب کیں جن میں امام صاحب نمایاں مقام رکھتے ہیں، آپ کی تصانیف میں کتاب الموطا سنگ میل کا حکم رکھتی ہے۔

قاضی عیاض نے امام صاحب کی تصانیف میں ان کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔

(١) كتاب الموطأ، (٢) رسالة الى ابن وهب في القدر، (٣) كتاب النجوم وحسابها

مدار الزمان ومنازل القمر، (٣)، رسالة مالك في الاقضية، (٥)، رسالة الى

أبي غنّان محمد بن مطرف في الفتوى، (٦١)، رسالة إلى هارون الرشيد المشهورة

في الآداب والمواعظ، (٤)، التفسير لغريب القرآن (٨)، كتاب السّر، (٩)

رسالتہ الی اللیث فی اجماع اہل المدینۃ، لہ

ابن ندیم نے صرف کتاب الموطا اور رسالہ الی ہارون الرشید کا ذکر کیا ہے،

موطا امام مالک | موطا کے بارے میں امام شافعی کا قول ہے۔

ما فی الارض کتاب من العلم اکثر روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کوئی
صواباً من موطا مالک، ۱۷ کتاب نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کی گزارش پر لکھا ہے، عتیق زبیری
کا بیان ہے کہ امام صاحب نے تقریباً دس ہزار احادیث سے منتخب کر کے موطا کو مرتب کیا ہے۔ اور
سال بہ سال اس کی تحقیق و تنقیح کرتے رہے اس طرح اس میں کمی ہوتی رہی۔ اسی لئے یحییٰ بن سعید
قطان کا قول ہے کہ لوگوں کا علم بڑھتا ہے مگر مالک کا علم کم ہوتا ہے، اگر وہ کچھ دنوں اور زندہ ہوئے
تو ختم ہو جاتا، سلیمان بن بلال کہتے ہیں کہ ابتداء میں موطا میں چار ہزار یا اس سے زائد حدیثیں تھیں، مگر
انتقال کے وقت ایک ہزار سے کچھ اوپر رہ گئیں امام صاحب سال بہ سال اس کی تلخیص کرتے رہے،
مشرق و مغرب کے بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام صاحب کی، اور بہت راویوں نے بعد میں
روایت کی، اسلئے موطا کے بہت نسخے اور ان میں اختلاف پایا جاتے ہیں، قاضی عیاض نے اس کے
ایسے نسخوں کی تعداد تقریباً بیس بتائی ہے، اور بعض علماء نے تیس کہا ہے۔ ان میں کئی راویوں
نے امام صاحب موطا کی روایت کر کے اس میں حسک اضافہ کیا اور اپنی دوسری مرویات کو
داخل کر کے مستقل کتاب کی شکل دی، جیسے موطا امام محمد جو درحقیقت امام مالک کی موطا ہے
مگر ایک مستقل کتاب بن گئی ہے،

وفات ۱۹۷ھ | امام صاحب زندگی کے آخری سالوں میں تقریباً گوشہ نشین ہو گئے

تھے، حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کے لئے بھی باہر نہیں آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا عذر
بیان نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود آپ کی مقبولیت و مرجعیت میں کوئی فرق نہیں ہوا، ۱۷
ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آخر میں بتایا کہ مجھے سلسل البول کا مرض ہو گیا ہے۔

میں اس حالت میں مسجد نبویؐ میں جانا نہیں چاہتا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں فرق آئے، اور میں نہیں چاہتا کہ اپنی بیماری کا تذکرہ کر کے اللہ سے شکوہ کروں، امام صاحب بائیس دن بیمار رہے، ۱۴ ربیع الاول ۳۹ھ کو شنبہ کے دن وفات ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ، ابن کثیر نے غسل دیا، صاحبزادے یحییٰ اور کاتب حبیب پانی ڈالتے تھے، وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا، اور امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انتقال سے پہلے تشہد پڑھا اور یہ جملہ کہا اللہ الامر من قبل ومن بعد، اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام صاحب کی وفات عالم اسلام کا حادثہ فاجعہ تھی، علماء نے تعزیتی کلمات کہے، آپ کی بلندی درجات کے خواب دیکھے، شعراء نے مرثیے کہے، اور جہاں جہاں خبر پہنچی رنج و غم کی فضا پیدا ہوئی، اسد بن خرات کا بیان ہے کہ ہم لوگ بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کے حلقہ درس میں تھے، ایک شخص افتا و خیراں ان کے پاس گیا، اس کے بعد امام محمد نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر کہا۔

مصیبتہ ما اعظمہا، مات مالک بن انس، کتنی بڑی مصیبت آپڑی، مالک بن انس وفات پا گئے، حدیث کے امیر المؤمنین وفات پا گئے۔

جب مسجد میں یہ خبر پھیلی تو ہر طرف غم و اندوہ کا منظر پیدا ہو گیا،

ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام مالک کے دو لڑکے یحییٰ اور محمد اولاد و احفاد تھے، اور دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف تھے، ان کے

ایک پوتے احمد بن یحییٰ بن مالک تھے، اور تین چچا تھے، اولیس، ابوسہل نافع اور زید یہ تینوں مالک بن ابوعامر نافع کے لڑکے تھے، لہ